تدوین فقہ کی تاریخ

ایک مطالعہ

سنی مذاہب اربعہ کی تاریخ۔ جائزہ

''حصہ اول''

از شیما ربانی

لیکچرار پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس گرلز کالج کراچی

اسلام دنیا کے چند بڑے ادیان میں شمار ہوتا ہے۔موجودہ دور میں اپنے پیروکاروں کی تعداد کے حوالے سے یہ دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے۔دنیا کے تقریباً ہر خطے میں اس کے ماننے والے آباد ہیں جو کہ اپنی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ اس دین کے بنیادی عقائد کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر زندگی گزاریں۔

یہ ''حدوداللہ'' جو کہ اسلام کی بنیادی کتاب میں بیان کی گئی ہیں، ان کو دنیا کی مختلف معاشرتوں پر منطبق کرنے کا کام دراصل علماء دین وقانون کرتے ہیں تا کہ یہ معاشرے اور افراد اس رہنمائی کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا سفر جاری رکھیں۔یہ عمل ہی دراصل ''شریعت'' کی قانونی تشریح کہلاتا ہے جس کو ''فقہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' میں انسان کے بارے میں رائے دی گئی ہے جو کہ مجلّہ کی پہلی دفعہ

میں تحریر ہے کہ ''انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اس لیے دوسرے حیوانات کی طرح وہ تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا بلکہ وہ فطرتاً عمرانی زندگی کی ترقی کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون وشرکت کے لیے مجبور ہے۔ چونکہ ہر انسان سازگار ماحول چاہتا ہے اور اپنے حریف کے مقابلے میں غضب کا اظہار کرتا ہے اس لیے بنی نوع انسانی میں صحیح قسم کا عدل وانصاف اور نظام قائم رکھنے کی غرض سے ایسے قوانین کی ضرورت ہے جن کو شریعت کی تائید حاصل ہو''۔

انسانی قوانین اقوام عالم کی تمام پرانی عادات ورسوم کا ایک مخلوط مجموعہ ہیں۔ ابتدائی زمانے میں چونکہ انسانوں کی تمام اجتماعی زندگی بالکل سادہ تھی اس لیے ان کے عادات ورسوم بھی سادہ تھے اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار پر منحصر تھا، جیسے جیسے انسانی معاشرے نے ترقی کی تو انسانوں کے درمیان مختلف نوعیت کے تعلقات وروابط قائم ہونے لگے اور حقوق انسانی کے تحفظ کے لیے واضح قوانین کی ضرورت پیش آئی اور پھر یہ قوانین دوسری عادات ورسم ورواج سے علیحدہ ہونے لگے۔ اب سردار قبیلہ کی جگہ باقاعدہ حکومت نے لے لی اور حکومت ہی اسے اپنے محکموں اور اجتماعی طاقت کے ذریعے قانون نفاذ کرنے لگی۔

اب اس مقام پر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ لفظ ''قانون'' اور لفظ ''شرع'' کے کیا معنی ہیں؟۔

لفظ ''قانون'' اپنی اصل کے لحاظ سے یونانی لفظ ہے جو سریانی کے ذریعے عربی زبان میں آیا، یہ لفظ دراصل (لائین کھینچنے والے رولر) کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کے بعد ''قاعدہ'' کے معنوں میں استعمال ہوا اور آج کل یہ لفظ یورپ کی زبانوں میں ''قانون کلیات'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

عربی زبان میں یہ لفظ ''مقیاس کل شیءٔ'' یعنی ہر چیز کے اندازہ کرنے کا آلہ'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہیں سے اس لفظ کے وہ عام معنی لیے گئے ہیں جو کہ ہر جامع اور ضروری قاعدے کے لیے بولا جاتا ہے۔

لفظ ''شریعت'' بھی قانون کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ ''شرائع الاسلام'' ''قانون اسلام'' کے معنوں میں آتا ہے۔

''شرع وشریعہ'' کا لفظ عربی زبان میں لفظ شارع سے لیا گیا ہے اور ''شارع'' کے معنی اللہ

تعالی کے ہیں جو اسلامی شریعت کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ ''حکم شرع'' شارع کا وہ حکم ہے جس میں شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی مصلحت ہو، دوسرے الفاظ میں ''حکم شرع'' علمائے اصول کے نزدیک وہ حکم ہے جو شارع (اللہ تعالی) نے اپنے مکلّف بندوں کو دیا ہو، چاہے یہ حکم کسی بات کا مطالبہ ہو یا کسی امر کا اختیار ہو یا پھر اعمال انسانی کے آداب وطریقے ہوں۔ لفظ قانون'' کے پہلے معنی جو سب سے زیادہ عام ہیں یہ کہ ان سے خاص احکام شرعیہ کا مجموعہ مراد ہے۔ سلطنت عثمانیہ میں لفظ قانون اکثر ان سرکاری احکام کے لیے استعمال ہوتا تھا جنہیں حکومت جاری کرتی تھی تا کہ یہ احکام شرع حنیف کے ان احکام سے علیحدہ سمجھے جائیں جو شرع کے معروف دلائل پر مبنی ہیں۔

یہ فرق اس وقت بالکل واضح ہو جاتا ہے جس کے متعلق حکومت کا قانون شریعت کے احکام سے متصادم ہو جیسے سود شرعاً حرام ہے لیکن قانونا جائز ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فقہائے اسلام اپنی اصطلاح میں لفظ'' قانون'' شاید ہی استعمال کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے شرع، شریعت اور حکم شرعی وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

لفظ'' قانون'' ایک خاص صورت میں ہر اس قاعدے کے لیے بولا جاتا ہے جو معاملات عامہ کے قواعد میں سے ہو'' قانون'' کے یہی معنی امام ابوالقاسم بن جزی نے استعمال کئے ہیں جو غرناطہ کے رہنے والے تھے آٹھویں صدی ہجری میں حیات تھے۔ (۶۹۳ء۔۷۴۱ء)

مسلمان علمائے اصول نے لفظ ''حکم'' کو قانون شرعی کے معنوں میں اور لفظ'' حاکم'' کو شارع کے لیے استعمال کیا ہے۔

''علم اصول'' وہ علم ہے جس میں دلائل شرع سے استنباط احکام کے طریقوں میں بحث ہوتی ہے۔ اس لیے اس علم کا موضوع بھی یہی احکام ودلائل ہیں۔ اسلامی قانون سازی کے اصول اور ماخذ بھی دلائل شرع کہلاتے ہیں ان میں سے جن پر سب علماء کا اتفاق ہے وہ چار ہیں: قرآن، سنت نبوی، اجماع امت، اور قیاس۔

علم فقہ کی تعریف:

فقہ کے لغوی معنی ''سمجھ'' کے ہیں اور اس کے یہی معنی آیت قرآنی میں استعمال کئے گئے

ہیں۔ ﴿وطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون﴾ سورہ التوبہ آیت ۸۷۔
(اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لیے وہ نہیں سمجھتے)
''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' کی پہلی دفعہ میں فقہ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ:
''الفقه علم بالمسائل الشرعية''۔
(یعنی اعمال شرعیہ کے مسائل کا علم ''فقہ'' کہلاتا ہے)۔

لیکن فقہ کی علماء نے فقہ کی زیادہ جامع تعریف کی ہے اور فقہا نے علم فقہ کی اس تعریف میں جو مجلّہ میں کی گئی ہے، کچھ اضافہ کیا ہے:

''مكتسب من ادلة الاحكام التفصيليه'' یعنی فقہ وہ علم ہے جو احکام تفصیلیہ کے دلائل سے مستنبط ہو، کیونکہ فقیہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فکر و تامل اور قوت استدلال کے ذریعے احکام اور ان کے دلائل میں منطقی ربط کو سمجھے جو دونوں میں موجود ہے اور اسی کی وضاحت کرے۔

''شارع'' صرف اللہ تعالی ہے جس نے شریعت اسلامی کے ذریعے دین و دنیا دونوں کے احکام نازل فرمائے اس لیے قدرتی طور پر علم فقہ میں عبادات و معاملات دونوں سے بحث کی جاتی ہے ۔علم فقہ چونکہ دین و دنیا پر محیط ہے اس لیے مسائل فقہ کو دو بڑی اقسام میں بانٹا جاتا ہے۔

۱۔ عبادات: جو امور آخرت سے متعلق ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ۔
۲۔ معاملات: جو کہ دنیاوی امور سے متعلق ہیں۔اس قسم کو مزید تقسیم کیا جاتا ہے جیسے
(i) عقوبات: جن میں جرائم پر بحث کی جاتی ہے اور ان کی سزاؤں پر بحث ہوتی ہے۔
(ii) مناکحات: جس میں عائلی و معاشرتی مسائل پر احکام ہوتے ہیں جیسے طلاق، وراثت وغیرہ۔
(iii) معاملات: اس میں مالیات اور اس سے متعلقہ حقوق و معاہدات پر بحث ہوتی ہے جیسے بیع، ہبہ، امانت وغیرہ۔

یہی تقسیم مسائل فقہ کی مجلّہ کی پہلی دفعہ میں بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ مجلّہ دراصل سلطنت عثمانیہ

میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے قانون مدنی کو وضع کرنے کے ارادے سے مدون کیا گیا تھا۔'' **مجلۃ الاحکام العدلیہ**'' کی تالیف ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں مکمل ہوگئی جسے سلطان ترکی کے حکم سے ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

عالم اسلام میں قانون سازی کی اجمالی تاریخ:

اسلام چونکہ سرزمین عرب پر ظہور پزیر ہوا ہے۔اس لیے یہاں کے رسم ورواج اور پہلے سے موجود قوانین سے اس مذہب کے قبول کرنے والوں کا گہرا تعلق رہا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کسی بھی لحاظ سے جو قوانین موجود تھے یا رائج رہے تھے ان کا عربوں پر کیا اثر پڑا اور پھر وہ اثرات نئے مذہب سے روشناس ہونے والے عربوں پر کس طرح اثر انداز ہوئے۔

دنیا کے قدیم ترین تحریری قوانین:

محققین کے نزدیک دنیا کا قدیم ترین قانون جو ہم تک پہنچا ہے وہ ''حمورابی بادشاہ'' کا ہے ۔جو کہ عراق کا بادشاہ تھا۔اس کا زمانہ ایک اندازے کے مطابق اٹھارہ سو پچاس قبل مسیح ہے۔حمورابی کا قانون تحریری صورت میں موجود ہے۔ایران میں ''سوسی'' نامی مقام سے ایک پتھر پر کندہ یہ قانون حاصل ہوا ہے جس میں مملکت کا حکمران ایک اعلیٰ ترین ہستی سے احکام حاصل کرتا ہوا ظاہر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مصر میں بھی ہیروغلیفی (Hieroghiyphic) کے جو قتبے ملے ہیں وہ وہاں کے قدیم ترین قوانین کو ظاہر کرتے نظر آتے ہیں۔

رومن قانون:

دنیا کے قدیم ترین قوانین میں رومی قانون کی سب سے زیادہ اہمیت رہی ہے کیونکہ آج بھی جدید قوانین یورپ میں ان قوانین کا عکس موجود ہے اور رومی قانون یورپ کے تمام قوانین کی بنیاد

بنا ہے۔

چنانچہ اس کے باری میں علم ہونا ضروری محسوس ہوتا ہے۔رومی سلطنت کا جائزہ لینے کے لیے آٹھویں صدی قبل مسیح کی طرف دیکھتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب شہر روم کی بنیاد پڑی۔رومی حکومت وہ حکومت تھی جس کی سیاسی ،ثقافتی فتوحات کو یہاں تک وسعت حاصل ہوئی کہ اسکی عظمت و جبروت کے آثار مغرب کی معاشرت میں چودہ صدی تک موجود رہے اور اسی پر چھٹی صدی عیسوی میں ''یوسیانوس'' کی وفات کے بعد زوال آیا۔

ابتدائی دور میں اہل روم کا قانون ،رسم ورواج پر موقوف تھا۔لیکن قوانین مرتب کرنے کا خیال ان میں قدیم زمانے سے موجود تھا۔چنانچہ انہوں نے پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں قانون کو جمع کیا جو''بارہ تختیوں'' پر لکھا ہوا تھا۔درحقیقت اہل روم کا قومی قانون ان ہی احکام سے نکلا جو ان بارہ تختیوں پر درج تھے۔

رومی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ قوانین کے چھ مجموعے ہیں جو چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں یوستینانوس کے حکم سے مرتب کئے گئے تھے یہ قوانین ''مجموعہ قوانین مدنی'' Corpus Juris Civilis کے نام سے مشہور ہیں۔

جب رومی سلطنت کمزور ہوگئی تو رومی قانون کے بعض احکام ان حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے اور ان کی رسومات قدیمہ کے ساتھ خلط ملط ہوگئے جنہوں نے یورپ پر حملہ کیا تھا اور پھر یہ قانون معدوم ہوگیا۔لیکن جب قرون وسطی میں علمی ترقی کا دوبارہ آغاز ہوا تو اس کے مطالعے کی جانب بھی توجہ دی گئی۔

اہل روم کا قانون بارہ تختیوں والے قانون کے وقت سے لے کر آج تک کے تمام قوانین جدیدہ تک کے وضع کردہ قانون حکومت نے ہی نافذ کئے ہیں۔ان کا مذہبی احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔غرض یہ کہ جس وقت اسلام دنیا میں ظاہر ہوا تو اس وقت دنیا کے وسیع خطے میں وہ قوانین رائج تھے جو سلطنت روم کی جانب سے لاگو کئے گئے تھے۔

مسلمانوں کی قانونی تاریخ:

اسلامی قانون سازی کے جو ادوار رہے ہیں انہیں کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اسلام کے نظام قانون کا آغاز وترقی کا کام عرب سے شروع ہوا اس لیے اس خطے کی قوم کے اسلام سے قبل رویے کا جائزہ لینا بھی ضروری امر ہے۔

ایام جاہلیت:

ایام جاہلیت میں یعنی اسلام سے قبل عرب کے لوگ سادہ زندگی بسر کرتے تھے ان کا نظام ،رسم ورواج پر مبنی تھا،ان کا معاشرہ متفرق قبائل کا مجموعہ تھا جس میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی بلکہ ان کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قبیلے اور قبائلی عصبیت پر تھی۔ ہر فرد اپنے قبیلے سے وابستہ تھا۔ غلامی کا رواج عام تھا ۔قبائل کے مابین جنگ وجدل عام تھا۔ ان کے معاملات کی حیثیت بھی روایتی تھی یعنی قدیم رسوم وعادات پر مبنی تھے۔ چنانچہ اس بناء پر رواج عام نے تبادلہ اشیاء بیع وشراء اور ربا کی اجازت دی جا چکی تھی ،خاندان کا نظام بھی منتشر تھا،عورتیں اور بچے اس نظام میں حق وراثت سے محروم تھے۔

۱۔اسلام کی آمد وعہد نبوت:

اسلامی قانون سازی کا یہ پہلا دور ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ابتداء رسالت یعنی ۶۱۰ سے شروع ہوا اور آپ کی رحلت ۶۳۲ پر ختم ہوا۔اس دور میں کتاب اللہ یعنی قرآن کریم جو اللہ کی جانب سے انسانوں کے لیے ہدایت ہے،بطور وحی کے نازل ہوا۔ اسلام میں قانون سازی کا یہ بنیادی واصل سرچشمہ تھا۔

۲۔خلفاء راشدین کا طرز عمل:

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام فتوی دینے کی اہلیت رکھتے وہ معاملات اور مقدمات میں کتاب وسنت کے مطابق حکم دیتے تھے اور ان کے بارے میں باہم مشورہ کرتے تھے اور جب ان میں صریح حکم نہ ملتا تو قیاس یا اجماع سے کام لیتے تھے۔فتوی دینے اور مقدمات فیصل کرنے کا کام سب سے پہلے خلفاء راشدین نے کیا جن میں حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ،حضرت عثمانؓ،اور حضرت علیؓ

شامل ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ کام حضرت عمرؓ کے زمانے میں کیا گیا۔ان کے بعد دیگر صحابہ مملکت کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اوران میں سے بہت سے صحابہ نے بڑی شہرت پائی مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مکہ میں، حضرت زید بن ثابتؓ نے مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے مصر میں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مدینہ میں، ہر ایک شہر میں ان صحابہ اور تابعین کے فتاوی کا رواج ہوا جو وہاں آباد ہو گئے تھے۔

دولت عباسیہ کا زمانہ:

یہ دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ختم ہو گیا۔اس زمانہ میں اسلامی سلطنت نے اقتصادی اور علمی لحاظ سے بہت ترقی کی، چنانچہ علم فقہ نے بھی خوب ترقی کی اوراسی زمانے میں متعدد فقہی مذاہب پیدا ہوئے۔ان میں بعض اپنے اتباع کرنے والوں کے زوال کے ساتھ ہی انحطاط پذیر ہو گئے لیکن بعض باقی رہے جو بتدریج پھیلتے گئے۔

اہل سنت کے چار مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نے خوب شہرت پائی۔

اہل سنت کے ہاں فقہا کے دو بڑے گروہ بن گئے ایک اہل الرائے کی جماعت جو عراق میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی قیادت میں قائم ہوئی۔اور دوسری ''اہل الحدیث'' کی جماعت جو حجاز میں امام مالک بن انس کی سرکردگی میں پیدا ہوئی، ''اہل حدیث'' سنت نبوی ﷺ کی پیروی کرنے اور رائے واجتہاد سے احتراز کرنے میں مشہور تھے اس کا سبب یہ تھا کہ حجاز کا علاقہ سنت کا گہوارہ اور صحابہ کا وطن تھا اس لیے وہاں کے فقہاء دوسروں کی نسبت سنت کا زیادہ علم رکھتے تھے۔جبکہ عراق کے حالات حجاز سے مختلف تھے وہاں کے لوگ شہری زندگی کے عادی تھے جس میں بہت سی مشکلات ومسائل کی نئی نئی صورتیں پیدا ہو چکی تھیں۔وہاں کے فقہاء چند احادیث لیتے تھے کیونکہ وہ حدیث کے اصل وطن سے دور تھے اوراس فاصلے کی وجہ سے روایت حدیث میں جھوٹ کی آمیزش کا اندیشہ تھا۔لہذا اکثر فقہی مسائل میں وہ عقل ورائے، اجتہاد بالقیاس اوراستحسان کے اصول سے کام لیتے تھے۔

انحطاط وتقلید کا زمانہ:

دولت عباسیہ کے آخر میں علم فقہ کی ترقی رک گئی فقہاء نے تدوین مذاہب پر اکتفاء کرلیا اور ان کا اجتہاد مسائل فرعیہ تک محدود ہو گیا۔سقوط بغداد کے بعد ساتویں صدی ہجری کے وسط میں تمام سنی فقہاء اس بات پر متفق ہو گئے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور چار مشہور مذاہب کافی ہیں ۔ جب عربی تمدن کو تدریجاً زوال آ گیا اور ہر طرف جمود طاری ہو گیا تو اسی سے تقلید کو فروغ حاصل ہوا اور فقہی اجتہاد رک گیا۔فقہاء نے شرعی کتابوں کا اختصار کرنے اور ان کی شروح لکھنے اور کتب فتاوی کی تدوین پر اکتفاء کیا خصوصاً حنفی مذہب کے سلسلے میں۔

بیداری کا دور:

دور تقلید کے دوران بدعات اور خرافات کثرت سے پھیلیں ،جن کی بنیاد وہم وجہالت پر تھی ۔لہذا مسلمان فقہاء میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے تقلید کو قبول نہیں کیا بلکہ علی الاعلان کہا کہ اجتہاد لازم ہے اور شریعت کے اصلی مصادر یعنی قرآن اور سنت کی طرف رجوع ضروری ہے ان کا مسلک سلف صالح کا مذہب کہلایا۔

ان میں تقی الدین ابن تیمیہ اور ابن قیم الجوزیہ کا شمار ہوتا ہے وہ دونوں آٹھویں صدی ہجری کے حنبلی فقہاء میں سے تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہابؒ جو بلاد عرب میں وہابی تحریک کے بانی تھے انہیں کے نقش قدم پر چلے پھر ان کے بعد سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد اٹھے ،انہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ تقلید کو چھوڑیں اور مذاہب فقہ میں وحدت پیدا کریں ۔شریعت کے اصلی مصادر کی طرف رجوع کریں اور بدعات سے دوری اختیار کریں۔اس کا نتیجہ یہ رہا کہ شریعت کے مطالعے کا جدید حالات کی روشنی میں دوبارہ آغاز ہوا۔

سنی مذاہب:

اہل سنت کے کئی فقہی مذاہب تھے جن کی تعداد تقریباً دس یا اس سے زائد تھی مگر ان کی تعداد آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ صرف چار مذاہب باقی رہ گئے۔

اہل سنت کے چند متروک مذاہب کے بانی یہ تھے:

١. عبدالله بن شبرمه (متوفی ١٤٤ھ).

٢. محمدبن عبدالرحمن بن ابی لیلی ،قاضی کوفه (متوفی ١٤٨ھ).

٣.سفیان بن ثوری (متوفی ١٦١ھ).

٤.لیث بن سعد (متوفی ١٧٥ھ).

٥.شریك النخفعی (متوفی ١٧٧ھ).

٦.اسحاق بن عیینه (متوفی ١٩٨ھ)

٧.اسحاق بن راهویه (متوفی ٢٣٨ھ).

٨.ابراهیم بن خالد بغدادی (متوفی ٢٤٦ھ)

ان اشخاص کے علاوہ جو فقہ مشہور ہوئیں وہ اوزاعی، داؤد ظاہری، اور طبری کی ہیں، یہی فقہ زیادہ عرصہ قائم رہیں اور اسلامی معاشرے پر اثر انداز ہوئیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتی چلی گئی۔

چند متروک مذاہب اہل سنت:

ا۔ مذہب اوزاعی:

اوزاعی کا نام امام ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو ہے۔ اوزاع کی نسبت سے اوزاعی کہلائے یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ آپ ۸۸ھ میں بمقام بعلبک میں پیدا ہوئے۔ آپ بیروت میں رہتے تھے اور وہیں ۱۵۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔

آپ عالم حدیث، فقیہ اور اہل شام کے امام تھے۔ وہاں کے لوگ آپ کے مقلد تھے پھر آپ کا مذہب شام سے اندلس منتقل ہوگیا مگر دوسری صدی ہجری میں جب شام میں شافعی مذہب اور اندلس میں مالکی مذہب ظاہر ہوا تو مذہب اوزاعی ختم ہوگیا۔ امام اوزاعی کا مذہب، مذاہب اہل حدیث میں

شمار ہوتا ہے جو رائے اور قیاس سے احتراز کرتے ہیں یہ مذہب اب بالکل ختم ہو چکا ہے اور اس کا ذکر محض کتابوں میں ملتا ہے۔

۲۔مذہب ظاہری:

داؤد بن علی اصفہانی عرف ابوسلیمان ظاہری ۲۰۲ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔آپ نے بغداد میں پرورش پائی اور وہیں ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔داؤد پہلے مذہب شافعی کے مقلد تھے بعد میں آپ نے اپنا ایک خاص مذہب الگ کرلیا۔

ان کا مذہب ظاہری اس لیے کہلاتا ہے کہ اس میں قرآن وحدیث کے ظاہری معنی پر عمل کیا جاتا تھا۔اس مذہب میں اجماع بھی اس وقت تک قابل استدلال نہیں تھا جب تک اس پر تمام علمائے امت کا اتفاق نہ ہواور نہ وہ قیاس کے قائل ہیں، جب تک کہ اس کی بنیاد کسی نص قطعی پر نہ ہو۔

بہت سے لوگ ان کے مذہب کے مقلد ہوئے جن میں مشہور یہ ہیں:

محمد بن داؤد اور ابن مغلس ۔یہ مذہب اندلس میں زیادہ پھیلا جہاں یہ پانچویں صدی ہجری تک باقی رہا۔پھر کمزور پڑتے پڑتے بالآخر آٹھویں صدی ہجری میں بالکل ختم ہوگیا۔

اس مذہب کے مقلدین میں سے ایک ابومحمد علی بن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) گزرے ہیں جو کہ ابن حزم کے نام سے مشہور ہیں۔ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سب سے مشہور ''کتاب الاحکام لاصول الاحکام'' ہے۔

۳۔مذہب طبری:

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ۲۲۴ھ میں بمقام آمل (طبرستان) میں پیدا ہوئے اور ۳۱۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔وہ بہت سے علوم کے ماہر تھے۔طبری فقیہ تھے انہوں نے طالب علمی میں بہت سفر کیا۔پہلے وہ شافعی اور مالکی اور اہل الرائے کے مسائل فقہیہ پر عمل کرتے رہے پھر اپنا خاص مذہب اختیار کرلیا جو کہ بغداد میں پھیلا۔ان کے مقلدین میں ابوالفرح مشہور ہے۔

ان کی تالیفات میں علم فقہ سے متعلق ''کتاب اختلافات الفقہاء'' مشہور ہے جو ایسے

مباحث پر مشتمل ہے جن کے ذریعے فقہ اسلامی کے تمام مذاہب کو قریب لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

سنی مذاہب اربعہ:

جو مذاہب فقہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوی ہوتے چلے گئے اور مملکت اسلامیہ میں خوب پھلے پھولے ان کی تعداد چار ہیں:

۱۔ فقہ حنفی۔

۲۔ فقہ مالکی۔

۳۔ فقہ شافعی۔

۴۔ فقہ حنبلی۔

فقہ حنفی:

فقہ اسلامی میں اہل سنت والجماعۃ کا ایک مکتب امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے نام سے موسوم ہے۔ حنفی کی جمع ''احناف'' ہے۔

کوفہ ملک عراق میں بہت سے فقہاء کا مرکز تھا۔ خلفاء راشدین کے عہد میں حضرت عمر بن الخطابؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور قاضی بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ آپ صحابی رسول ﷺ، محدث وفقیہ بھی تھے۔ ان کی تعلیم کی وجہ سے کوفہ میں فقہ کا علم عام ہونے لگا اور آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد خوب مشہور ہوئے جن میں ''علقمہ نخعی، سروق ھمدانی، قاضی شریح، ابراھیم نخعی، عامر شعبی، اور حماد بن ابی سلیمان شامل ہیں''۔

مذہب حنفی بھی کوفہ میں رونما ہوا جس کے بانی جیسا کہ ابتداء میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جو ''امام اعظم'' کہلائے۔

آپ ایرانی النسل تھے۔ ۸۰ھ میں شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی علمی زندگی کی ابتداء علم کلام کے مطالعے سے ہوئی، پھر آپ نے اہل کوفہ کی فقہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان سے پڑھی۔

عملی زندگی کے لحاظ سے آپ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے، علم کلام اور پیشہ تجارت نے آپ میں عقل اور رائے سے استصواب کرنے، احکام شرعیہ کو عملی زندگی میں جاری کرنے اور مسائل جدیدہ میں قیاس واستحسان سے کام لینے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی اسی لیے آپ کے مذہب کا نام ''مذہب اہل الرائے'' مشہور ہو گیا۔

امام صاحب سے پہلے صحابہ میں سے بعض اکابر نے اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے۔ ان میں سے چار ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، بے حد نامور ہوئے ان میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زیادہ تر کوفہ میں رہے اسی ہی وجہ سے کوفہ ایک مرکز بن گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعلیم باعث بہت سے حضرات فیضیاب ہوئے اور فقہ کے ماہر سمجھے گئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ انہی میں سے حماد بن ابی سلیمان کے شاگرد رہے اور پورے اٹھارہ سال ان کی صحبت میں رہے۔ حماد بن ابی سلیمان کے انتقال کے بعد انہوں نے مسئلہ فقہ پر سمجھ کر درس وتدریس اور فتوی کے ذریعے دین کی خدمت انجام دیں۔ امام ابوحنیفہ سے سات آٹھ سو شاگردوں نے تحصیل علم کی۔ اس دور میں انہوں نے تراسی ہزار یا کم وبیش مسائل فقہ پر اپنی رائے پیش کی، یہ آراء یا فتاوی ان کی زندگی میں ہی مختلف عنوانات کے تحت مرتب ہو گئے تھے۔ ان کے شاگردوں میں کم وبیش پچاس نامور افراد ان کے بعد سلطنت عباسیہ میں منصب قضاء پر فائز رہے۔

خلافت بنی امیہ کے آخری دور میں حاکم عراق ابن سیرہ نے جب امام ابوحنیفہ صاحب کو منصب قضاء پیش کیا تو آپ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اسی طرح عباسیوں کے عہد میں جب خلیفہ ابوجعفر نے آپ کو بغداد بلایا اور قاضی بنانا چاہا تو اسے بھی آپ نے منظور نہ فرمایا آپ کے انکار پر آپ کو قید کی سزا دے دی گئی اور وہیں آپ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

امام ابوحنیفہ انتخاب احادیث میں بہت محتاط تھے اور صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو باوثوق اسناد سے ثابت ہوں۔ اس کے باوجود آپ کے ساتھیوں اور شاگردوں نے پندرہ مسانید (یعنی ایسی احادیث کے پندرہ مجموعے جن کے راویوں کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو) آپ سے روایت کی ہے۔ ان سب کو قاضی القضاہ ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی نے ایک

جلد میں جمع کیا ہے جس کا نام ''جامع المسانید'' ہے۔

فقہ حنفی کے ماخذ:

فقہ حنفی کے اولین تین ماخذ ہیں:

۱۔ امام صاحب کی اپنی کتب وفتاوی۔

۲۔ اس ''مجلس فقہ'' کے فیصلے جو امام صاحب نے غیر سرکاری طور پر شریعت کی تدوین کے لیے قائم کی تھی۔

۳۔ ان کے نامور ترین شاگردوں مثلا قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن، اور امام زفر کی تصانیف وآراء۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف تین کتابیں منسوب ہیں:

۱۔ الفقه الاکبر۔

۲۔ العالم والمتعلم۔

۳۔مسند۔

لیکن ان کتابوں کے انتساب کے بارے میں اختلاف ہے مثلا علامہ شبلی نعمانی ''سیرۃ النعمان'' میں انہیں امام صاحب کی تصانیف نہیں مانتے تاہم بعض دوسرے مصنفین ان کتابوں سے خصوصا ''الفقہ الاکبر'' سے استفادہ کرتے ہیں۔

مستند ترین مواد وہ ہے جو امام صاحب کی مجلس فقہ مرتب ہوا اور اس میں کم وبیش تراسی ہزار مسائل طی کئے گئے۔ابن البزاز (متوفی ۸۲۷ھ) صاحب فتاوی بزازیہ نے لکھا ہے کہ:

''اس مجلس میں امام صاحب کے شاگرد ایک مسئلہ پر دل کھول کر بحث کرتے اور ہر فن کے نقطہ نظر سے گفتگو کرتے، اسی دوران امام صاحب خاموشی کے ساتھ ان کی تقریر سنتے رہتے تھے پھر جب امام زیر بحث مسئلے پر اپنی تقریر شروع کرتے تو مجلس میں ایسا سکوت طاری ہوتا جیسے یہاں ان کے سوا کوئی

اور نہیں بیٹھا ہے'' الکردری (108:2)۔

غرض اس طریقے سے مسائل زیر بحث آتے اور امام ابو یوسف جدا جدا عنوانات کے تحت ابواب کی شکل میں فیصلے مرتب کرتے جاتے۔

تلامذہ امام ابوحنیفہؒ:

امام ابوحنیفہ کے اقوال فقہیہ آپ کے شاگردوں کے ذریعے منقول ہوکر ہم تک پہنچے ہیں ۔آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور چار ہیں:

١۔امام ابویوسفؒ ۔

٢۔ زفر بن هزیلؒ۔

٣۔محمد بن حسن الشیبانیؒ۔

٤۔ حسن بن زیاد لؤلؤیؒ۔

انہی چاروں کے ذریعے حنفی مذہب دنیا میں پھیلا،خصوصا امام ابو یوسفؒ اور محمد بن حسن الشیبانی ؒ کے ذریعے سے جو امامین اور صاحبین کے نام سے مشہور ہیں۔

ا۔امام ابو یوسفؒ امام صاحبؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔انہوں نے حنفی فقہ کے استحکام و تدوین میں بڑا حصہ لیا۔امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاریؒ ۱۸۲ء میں بغداد میں منصب قضاۃ پر فائز ہوئے اور پھر عہد ہارون الرشید میں قاضی القضاۃ بنے اور مملکت کے باقی حصوں میں قاضیوں کا تقرر اور معزولی بھی آپ کے سپرد ہوئی۔اسی لیے آپ کو امام ابوحنیفہ کے مذہب کی عملی طور پر اشاعت کرنے کا پورا پورا موقع ملا۔آپ کی تصانیف میں ''کتاب الخراج'' اہم ترین کتاب ہے،امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ:

''میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا ہے وہ ابو یوسف ہے''
الکردری(126:2)۔

الحضرمیؒ نے لکھا ہے کہ:

''وہ (ابو یوسفؒ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلمبند کرائے، ان کی اشاعت کی اور تمام روئے زمین میں امام ابوحنیفہ کے علم کو پھیلایا''۔

''کتاب الخراج'' ان کا اہم کارنامہ ہے، یہ کتاب ہارون الرشید کے بھیجے ہوئے سوالات کے جواب میں لکھی گئی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں حکومت کے اہم قانونی وانتظامی مسائل کی جزئیات درج ہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنے دور قضاء میں ان فتوؤں کا اضافہ کیا جو عدالتی پیچیدگیوں کے سبب سے ضروری ہوگئے تھے اور ان احکام کا بھی اضافہ کیا جو آپ کے نزدیک ایسی احادیث صحیحہ سے ماخوذ تھے جنہیں آپ نے رجال حدیث سے مل کر حاصل کیا تھا اور یہ ہی علمی ذخیرہ کتاب الخراج میں جمع کر دیا گیا۔

امام ابو یوسفؒ کے وہ اقوال مشہور ہیں جو فقہ حنفی کی کتابوں میں اور امام شافعی کی ''کتاب الام'' کے آخری حصے میں مذکور ہیں۔

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ:

فقہ حنفی کی عملی تدوین میں جس بزرگ نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور جن کی کتابیں بھی محفوظ رہیں وہ ہیں امام محمد بن حسن الشیبانیؒ جن کا دور ۱۳۲ھ سے ۱۸۹ھ تک رہا۔

انہوں نے بھی عراق کے مدرسے سے علوم حاصل کئے، پھر آپ مدینہ چلے گئے اور علمائے اہل حدیث سے ملے وہیں امام مالکؒ سے علم حاصل کیا۔ آپ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کی تدوین اور استخراج مسائل میں مشہور ہیں خصوصا مسائل وراثت وفرائض وغیرہ میں۔ جن کتابوں کی تدوین امام محمدؒ نے کی، ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جنہیں ثقہ راویوں نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے اور ان کا نام ''کتب ظاہر الروایۃ'' یا ''مسائل اصول'' ہے۔

۲۔ دوسری قسم وہ جو ثقہ راویوں سے روایت نہیں کی گئی، ان کا نام ''کتب یا مسائل النوادر'' ہے۔

کتب ظاہر الروایۃ چھ ہیں، جبکہ کتاب النوادر میں کئی کتب شامل ہیں۔ ان میں سے کئی کتب میں وہ مسائل درج ہیں جو امام محمدؒ کو اس وقت پیش آئے جب ہارون رشیدؒ نے انہیں شہر ''رقہ'' کا قاضی مقرر کیا۔

حسن بن زیاد لؤلؤیؒ:

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں ایک مصنف حسن بن زیاد لؤلؤیؒ ہیں جن کی بہت سی کتب ہیں جن میں سب سے اہم ''ادب القاضی'' حسن بن زیاد لؤلؤیؒ کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا۔

امام زفر بن ہزیلؒ:

فقہ حنفی میں امام زفرؒ کا رتبہ بعض کے نزدیک امام احمدؒ سے بھی بلند ہے مگر ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ ان کا پورا نام زفر بن ھزیل بن قیس تھا۔ فقہ حنفی کی بنیادیں مذکورہ بالا بزرگوں ہی نے رکھیں۔

آغاز پھیلاؤ (فروغ)

حنفی فقہ کا آغاز عراق سے ہوا تھا اور خلفائے بنو عباس بھی ان کے حامی تھے۔ اصلی وطن (عراق) کے علاوہ شام میں بھی حنفیوں کی مؤثر تعداد موجود تھی۔ شروع ہی میں فقہ حنفی مرق میں خراسان، ماوراء النہر، افغانستان، برصغیر اور وسط ایشیاء میں ترکستان اور چین تک رائج ہو گیا تھا۔

حنفی فقہ کے بہت سے علماء کا تعلق خراسان اور ماوراء النہر سے تھا۔ پانچویں صدی ہجری سے مغلوں کے زمانے تک بنو مازہ کا خاندان حنفیوں کے پشتینی مذہبی سربراہ ہونے کی وجہ سے بخارا میں ان کا سیاسی اثر و رسوخ زیادہ ہوا۔

اسلام کی چند ابتدائی صدیوں میں بالخصوص اغالبہ کے عہد حکومت میں المغرب (شمالی افریقہ) میں مالکیوں کے ساتھ حنفی مذہب کے ماننے والے بھی موجود تھے۔ صقلیہ میں حنفی کثیر تعداد میں تھے۔

آخر میں فقہ حنفی ترکیہ کے سلجوقی حکمرانوں اور عثمانی سلاطین کا مرجع مذہب رہا بلکہ سلطنت عثمانیہ میں صرف حنفی فقہ کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ لہذا جہاں جہاں ملکی آبادی کی اکثریت غیر حنفی تھی مثلاً مصر، سوڈان، اردن، لبنان وغیرہ وہاں بھی عثمان فرمانروائی کے دور کے ورثے کے طور پر فقہ حنفی کو بڑی اہمیت حاصل رہی۔

اہم کتب:

جن قدیم حنفی علماء کی گراں قدر تصانیف زمانے کی دستبرد سے بچ گئیں ان میں ابو بکر احمد بن عمر الشیبانی تھے جو خلیفہ المہتدی باللہ کے درباری فقیہ تھے۔ بنو عباس کے تمام عہد میں عملی فقہ پر تصنیف وتالیف کی روایت عام رہی۔ امام السرخسیؒ کی '' المبسوط '' اور '' الحاکم الشہید کی '' الکافی " کی شرح سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

آخری دور میں علماء حنفی میں المرغینانی کی '' الھدایۃ '' کو بہت اہمیت حاصل رہی جس کا انگریزی میں ترجمہ چارلس ہملٹن نے کیا تھا۔

ہندوستان میں '' الہدایہ '' کے بعد فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب '' فتاوی عالمگیری '' ہے یہ فتاوی کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ حنفی مذہب کی معتبر کتابوں کے اقتباسات کا مجموعہ ہے جس کی تالیف مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے فرمان پر عمل میں آئی تھی۔ ۱۷۷۲ء سے برطانوی ہندوستان میں انگریزوں کے قانونی افکار اسلامی قانون کی تعبیر پر اثر انداز ہونے لگے۔ پہلے تو مقامی طور پر اسلامی قانون کے مطابق عدل وانصاف ہوتا تھا۔ اسکے بعد ایک آزاد قانونی نظام معرض وجود میں آیا جو اسلامی شریعت کے مروجہ یعنی حنفی وشیعہ فقہ سے سراسر مختلف تھا اس نئے قانون کو '' اینگلو محمدن لاء '' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

اٹھارہویں صدی عیسویں کے آخر میں ۱۸۷۷ میں ترکی کی عثمانی حکومت نے فقہ حنفی کی رو سے معاہدات، واجبات اور دیوانی طریقہ کار کا ایک قانونی ضابطہ وضع کیا جو عثمانیوں کا ضابطہ دیوان یا

''مجلّہ'' کہلایا۔

مجلّہ کے ذریعے حنفی مذہب نے مشرق قریب کے بہت سے ممالک کو متاثر کیا، تقریبا اسی زمانے میں مصر میں محمد قدری پاشا نے حنفی فقہ کے مطابق احکام قانونی کا مجموعہ تیار کیا تھا، ان میں سے عائلی قوانین کو سرکاری سرپرستی میں رائج کرایا۔

فقہ مالکی:

یہ فقہ امام وفقیہ مدینہ منورہ مالك بن انس بن ابی عامر الاصبحی سے منسوب ہونے کے باعث 'مالکی مذہب'' کہلایا۔ امام مالکؒ کی والدہ کا نام ''العالیہ'' تھا۔ امام مالکؒ کے دادا مالك بن ابی عامر نے والی یمن کے ظلم سے تنگ آکر اپنے آبائی وطن یمن سے ہجرت کی اور حجاز میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ امام مالکؒ کے پردادا ابوعامر نے اسلام قبول کرکے صحبت رسول اللہ ﷺ کا شرف حاصل کیا۔

امام مالکؒ کا گھرانہ نسل یا قرابت کے لحاظ سے قریشی تھا، مالک قبیلہ حمیر کے خالص عرب تھے یہ قحطانی النسل تھے۔

امام مالکؒ کے والد انس معذور تھے اور تیر سازی ان کا ذریعہ معاش تھا، امام مالکؒ کے دادا ابوانس مالک بن ابی عامر کی علمیت اور دینی خدمات مسلمہ ہیں، وہ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں وہ ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی کتابت کی اور انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ سے روایات کی ہیں اور ان کی روایت معتبر تصور کی جاتی ہیں۔

دوسرے افراد کے علاوہ خود ابوانس کی اولاد یعنی ابو سهل نافع ، انس اور الربیع نے ان سے روایت کی ہے۔ وہ موطا امام مالکؒ کے علم کا ماخذ شمار کئے جاتے ہیں۔

امام مالکؒ کی ولادت کے بارے میں مشہور قول ہے کہ وہ ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں تعلیم کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے کچھ عرصہ وہ معاون کے طور پر تجارت میں اپنے بھائی کی مدد کرتے رہے جن کا پیشہ بزازی تھا۔

تعلیم وتربیت کے ابتدائی دور میں ایک مکتب میں علقمہ سے عربی، نحو وعروض کی تعلیم حاصل کی اور قرآن پاک حفظ کیا۔ جب امام صاحب نے علم کی طرف توجہ کی تو دینی علم میں سے فقہ کا انتخاب کیا، کیونکہ یہ علم اس زمانے میں سارے علوم سے عام تھا اس کی اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ شخص مفتی اور قاضی بننے کے قابل ہو جاتا تھا۔ اس زمانے کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ استاد سے روایات سن کر یا تو ان کو لکھ لیا جاتا تھا پھر اس کو یاد کر لیا جاتا تھا۔

امام مالکؒ کے اساتذہ:

امام مالکؒ کے اساتذہ میں نافع بن نعیم ابوعبدالرحمٰن کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو کہ سات قراتوں میں سے ایک قرات میں اہل مدینہ کے امام تھے۔ ان سے امام مالکؒ نے ''عرضا'' قرات سیکھی۔

حفظ قرآن سے فراغت پا کر وہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے ساتھ رہے۔ ربیعہ رائے کی طرف نسبت کر کے پکارے جاتے ہیں یعنی ''ربیعۃ الرای'' کے نام سے مشہور ہیں۔ امام مالکؒ نے ربیعہؒ سے جو ذہانت میں مشہور تھے، استفادہ کیا اور ان سے فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا۔ امام مالکؒ ربیعہؒ کے پاس طویل عرصے تک رہے۔

ان کے علاوہ ابن شہاب الزہریؒ اور امام جعفر صادقؒ (متوفی ۱۴۸ھ) جو مذہب شیعہ امامیہ کے بارہ اماموں میں سے ہیں ان کے استاد شمار کیے جاتے ہیں۔

امام مالکؒ کا سلسلہ درس وتدریس:

جہاں تک امام صاحب کے وطن کا تعلق ہے، وہ مدینہ منورہ میں ہی رہے، یہاں تک کہ طلب علم کے لیے بھی سفر نہیں کیا، اور نہ مدینے سے باہر قیام کیا حالانکہ خلفاء چاہتے تھے کہ وہ عراق میں ان کے ساتھ شریک صحبت رہیں۔

امام صاحبؒ اموی وعباسی سلطنتوں کے دور میں حکام سے ملاقات کرتے اور ان کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ:

''علماء کا حق ہے کہ وہ حاکموں کے پاس جا کر انہیں خیر کی تلقین کریں، انہیں شر سے روکیں اور وعظ و نصیحت کریں''۔

امام صاحبؒ روایت و درایت کے اعتبار سے محدث ہیں اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ ہے۔امام صاحبؒ جلیل القدر راوی تھے،جنہوں نے زیادہ سے زیادہ احادیث حاصل کیں مگر ان کو بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا۔صرف وہی حدیث روایت کرتے جس کی صحت و سند پر انہیں پورا یقین ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں امام مالکؒ کی کتاب ''الموطا'' میں چار ہزار یا اس سے بھی زیادہ احادیث تھیں مگر نظر ثانی کے بعد وفات کے وقت صرف ایک ہزار سے کچھ اوپر رہ گئیں۔ وہ اپنے عہد میں حدیث پر حرف آخر کی حیثیت تھے۔

امام صاحبؒ ۱۷۹ھ میں مدینہ میں انتقال کر گئے اور بقیع میں سپرد خاک ہوئے۔

الموطا:

امام مالکؒ کی کتاب ''الموطا'' کے زمانہ تالیف کو متعین کیا جا سکتا ہے انہوں نے اسے عباسی خلیفہ المنصور (۱۳۶ھ۔۱۵۸ھ) کے فرمان کے تحت شروع کیا اور اس کے آخری زمانہ خلافت تک کتاب کے مسودے سے فارغ ہو گئے۔خلیفہ مہدی کے دور میں (۱۵۸ھ ۔۱۶۹ھ) میں اس مسودہ کو کتاب کی صورت دی گئی۔

''الموطا'' کی تصنیف کا تعلق اس زمانے کے مسلمانوں کے اجتماعی و سیاسی حالات سے ہے ۔ قاضی اور مفتی وسیع اسلامی سلطنت کے اطراف و اکناف میں جو شرعی احکام نافذ کرتے تھے ان میں اختلافات پایا جاتا تھا۔اس زمانے کے اہل سیاست یہ سمجھتے تھے کہ فیصلوں میں استحکام نہیں۔اس لیے وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ ایک جامع الاحکام کتاب مقرر کرے،جس کے مطابق سارے مقدمات کے فیصلے ہوں ۔لہذا الموطا سامنے آئی۔

موطا حدیث کی کتاب شمار کی جاتی ہے۔فقہ و حدیث اس زمانے میں الگ الگ نہ تھے اور نہ

ہی ان کے مفہوم میں کوئی امتیاز تھا۔

اسی طرح لفظ ''رای'' اس زمانے تک حجاز میں ان اصطلاحی معنوں میں استعمال نہ ہوتا تھا جو آج کل لیے جاتے ہیں۔ بلکہ ''رای'' کے معنیٰ ''سمجھنا اور خوبی کے ساتھ پالینا'' تھا غرض یہ کہ یہاں رائے سے مراد وہ فقہی رائے نہیں ہوتی تھیں جو فقہائے عراق کے ہاں لی جاتی ہے۔

سنت، حدیث اور اہل مدینہ کا اجماع، امام مالکؒ کی فکر کے اہم اصول ہیں ایسا اس لیے ہے کہ اہل مدینہ کا رسول اللہ ﷺ سے گہرا تعلق رہا تھا اس لیے مدینہ کو اور مقامات سے امتیاز حاصل تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اہمیت حاصل تھی۔

مالکی مذہب کی اہم کتب:

امام مالکؒ جیسے فقیہ مصنف سے جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے، جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو 'الموطا'' سے زیادہ معتبر اور کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

البتہ اس کے علاوہ بھی کچھ کتب و رسائل ان کی طرف منسوب ہیں۔ مثلاً کتاب المناسک کتاب المسائل، کتاب السیر اور کتاب الاقضیہ۔ مگر سب سے بلند درجہ ''الموطا'' کا ہی اور یہ کتاب اسلامی فقہ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ آج کل امام مالکؒ کے مقلدین کا علمی سرمایہ کتاب ''المدونہ'' ہے جسے اسد بن فرات نے اسدیہ میں جمع کیا ہے، پھر اسے سحنون نے مرتب کر کے ''مدونہ کبریٰ'' کے نام سے شائع کرایا تھا۔

امام مالکؒ کے تلامذہ:

امام صاحب کے چند ساتھی تھے جنہوں نے ان سے علم حاصل کر کے اسے سلطنت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں پھیلایا۔ ان کے اصحاب اسلامی ممالک کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے مدینہ میں عبدالعزیز بن ابی حازم (متوفی ۱۸۵ھ)، محمد بن ابراہیم بن دینار (متوفی ۱۸۲ھ) جو کہ امام مالک کے سامنے ہی مدینہ کے فقیہ تھے۔

اسی طرح مصر میں ان میں سے عبدالرحمٰن بن قاسم (متوفی ۱۹۱ھ)، عبداللہ بن وہب

(متوفی ۱۹۸ھ) اور شمالی افریقہ میں علی بن زیاد التوسی (متوفی ۱۸۳ھ اور اندلس میں ابو محمد یحی بن یحی الاندلسی (متوفی ۲۳۴ھ) قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ اسد بن فرات (متوفی ۲۱۳ھ) حران میں پیدا ہوئے بعد میں قضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے اور فتوحات صقلیہ میں حصہ لیا۔

چند اہم شاگردوں کا تفصیلی تذکرہ اس طرح سے کیا جا سکتا ہے:

۱۔امام محمد بن حسن شیبانیؒ

موطا کئی طریقوں سے روایت کی گئی مگر ہم تک صرف دو طریقوں سے پہنچی ہے ان میں اول روایت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ہے۔امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے جو موطا روایت کی وہ موطا مالکؒ کے بجائے ''موطا امام محمدؒ'' کہلائی۔

۲۔ عبدالرحمن بن قاسم:

مصر میں فقہ مالک کو متعارف کرانے کا کام امام صاحب کے ایک شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسم (متوفی ۱۹۱ھ) نے کیا۔ یہ موطا کے راویوں میں سے ہیں۔موطا کا ایک نسخہ انہی کا روایت کردہ ہے۔مصر میں ان کی بہت قدر و منزلت تھی۔مصر میں امام مالک کی فقہ ان کی اپنی زندگی ہی میں رائج ہو گئی تھی۔

۳۔ یحی الاندلسی:

موطا کا ایک طریقہ روایت یحی بن یحی سے منسوب ہے اور ہم تک پہنچا ہے۔ان کا تعلق اندلس سے تھا اور وہ مغرب میں موطا اور فقہ مالک کے پہلے مبلغ بنے۔یہ امام صاحبؒ کے ممتاز شاگرد ہیں۔انہوں نے امام صاحبؒ کی وفات تک اندلس نہیں چھوڑا، اور بعد میں اپنے وطن آ کر یہاں فقہ مالکی متعارف کرایا۔یعنی اندلس میں حکومتی حلقوں میں یحی بن یحی کی بہت قدر و منزلت تھی اور شرعی امور میں امراء و حکام ان سے مشورہ لیتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔

٤۔ سحنون بن سعید:

سحنونؒ کا تعلق حمص سے تھا۔ یہ مصر ہجرت کر کے آئے پھر امام صاحب کے ایک شاگرد

عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کے شاگرد رہے۔ البتہ انہوں نے امام مالکؒ کا زمانہ پایا مگر مدینہ میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ سحنونؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس وقت مغرب میں ان کے رتبہ کا کوئی عالم نہ تھا۔ ''المدونۃ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب کی۔ سحنونؒ، درس و تدریس، اپنی تصنیف، وسیع حلقہ تلامذہ اور منصب قضاہ کے باعث بلاد مغرب میں فقہ مالکی کا اشاعت کا بہت اہم ذریعہ ہے۔ آپ نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی یہ تصنیف ''مدونۃ کبری'' بھی کہلاتی ہے۔

فقہ مالکی کا فروغ و وسعت:

مالکی مذہب مدینہ میں پیدا ہوا اور تمام حجاز میں پھیل گیا لیکن بعد از اں صرف مغرب اقصی اور اندلس میں محدود ہو کر رہ گیا۔

۱۔ حجاز:

امام مالکؒ کا فقہی مسلک سب سے پہلے حجاز میں پھیلا کیونکہ اسکی ابتداء یہاں سے ہوئی تھی۔ امام مالکؒ نے پوری زندگی مدینہ میں گزاری تھی۔ مگر ایک زمانہ ایسا بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب مدینہ میں بھی مالکیت مسلک کا کوئی فقیہ اور مجتہد باقی نہ رہا تھا۔

۲۔ مصر:

حجاز کے بعد فقہ مالکی کی ترویج و اشاعت مصر میں ہوئی اور یہاں امام مالکؒ کے شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسمؒ اور دیگر اشخاص نے اس کو متعارف کرایا۔ فقہ مالکی کی اہم کتاب ''المدونۃ'' بھی مصر میں ہی مدون ہوئی۔ مصر میں فقہ مالکی امام مالکؒ کی زندگی میں ہی مستحکم ہو چکا تھا۔

۳۔ مغرب اقصی:

فقہ مالکی کا سب سے پائیدار اور وسیع اثر مغرب اور مغرب اقصی پر ہوا اور دوسرے مسالک یہاں مالکی مسلک کو کمزور نہ کر سکے۔ اس میں تونس، مراکش، لیبیا وغیرہ شامل ہیں۔ ان علاقوں میں مالکی

فقہ کے فروغ کی بنیادی وجہ یہاں کے تمدن وحجازی تمدن میں یکسانیت بیان کی جاتی ہے۔مغرب کے لوگوں کا سفر عام طور پر محض حجاز کے علاقے تک ہی ہوتا تھا ان کو مشرقی سلطنت وممالک سے کوئی سروکار نہ تھا اس لیے یہ لوگ حجاز کی فقہ سے متاثر ہوئے۔یوسف بن تاشفین کے عہد میں یہ اثر مزید بڑھ گیا۔

٤۔ اندلس:

اندلس بھی فقہ میں حجاز سے متاثر ہوا۔اندلس میں مالکی فقہ کو حکومتی سطح پر بھی سراہا گیا۔ یحی بن یحیٰؒ نے اندلس میں اسی فقہ کو متعارف کرایا۔ان کے علاوہ بھی لوگوں نے اندلس میں فقہ مالکی کی ترویج وترقی کے لیے کام کیا ان میں کئی نام اہم ہیں:

ابن عبدالبرؒ (متوفی ۴۲۷ھ) یہ اشبونہ کے قاضی رہے، ابوبکر بن العربیؒ یہ اشبلیہ کے قاضی رہے، احمد بن رشدؒ قرطبہ کے قاضی رہے۔

اندلس میں مسلم حکومت وسلطنت تو ختم ہوگئی مگر بعد میں شمالی افریقہ اور مصر میں مالکی فقہ کا مقام مضبوط ومستحکم رہا۔